تعلیمی و علمی سرگرمیاں

مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر گورنر پنجاب جناب لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن نے یہ خطبہ دیا :

. . . .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، رئیس الجامعہ ، و محترم حضرات !

مجھے آج یہاں آکر بے حد مسرت ہوتی ہے۔ جامعہ اسلامیہ ایک بابرکت اِدارہ ہے اور اس کے کانووکیشن کی صدارت میرے لیے فخر کا باعث ہے ۔

مَیں اس ادارہ کے تمام ارکان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھیں ملک و ملّت کی علمی اور روحانی خدمت کا موقع ملا ہے ۔ یہ جامعہ وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے اور ملک میں روشن خیال اسلامی اداروں کے قیام کی ایک بہت اچھی مثال ہے ۔ مجھے خاص مسرت ہے کہ صوبائی حکومت نے جامعہ کی سندات کو مختلف مدارج کی اسناد اور ڈگریوں کے برابر تسلیم کر لیا ہے ۔

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ پاکستان اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کو قائم رکھنے کے لیے وجود میں آیا۔ اس سرزمین میں اسلامی اقدار کو اس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے کہ یہاں اسلامی اصول کے جاننے والے جدید سائنسی علوم سے بھی واقف ہوں، تاکہ جہاں وہ ملک کے ترقیاتی مقاصد میں اپنے آپ کو مفید ثابت کر سکیں، وہاں اس چیلنج کا بھی مقابلہ کر سکیں جو مغربی تہذیب کی طرف سے مذہب کو درپیش ہے ۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول سچّے اور دائمی ہیں۔ اسے نئے علوم سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے ، کیونکہ بدلتے ہوئے حالات اس کے دائمی اصولوں کو نہیں جھٹلا سکتے ۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہمارے علما اپنی عقل اور فکر کو استعمال کرنے میں وہ طریقہ اختیار کریں جس کا اسلام نے حکم دیا اور جس کی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ۔

مجھے امید ہے کہ اس جامعہ سے فارغ ہونے والے طلبہ اُس کے اعلیٰ مقاصد کو سمجھنے اور اسے فروغ دینے کے لیے مفید خدمات سرانجام دیں گے۔ انھیں عام لوگوں سے کہیں زیادہ محنت اور صبر کا ثبوت دینا ہوگا اور ملّت کے سامنے دیانت اور امانت کی اعلیٰ مثال پیش کرنا ہوگی۔

آپ حضرات جو اس ادارے سے فارغ ہوتے ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں اور سمجھدار بھی۔ آپ کو اپنے فرائض کا خود احساس ہوگا۔ پھر بھی اپنے تجربہ کی بنا پر آج چند باتیں مَیں آپ سے ضرور کروں گا۔

ممکن ہے آیندہ زندگی میں آپ کو مشکلات کا سامنا ہو۔ یاد رکھیں کہ حالات کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں، اگر اسلام کی تعلیم کو اپنے سامنے رکھیں گے تو آپ کی ہر مشکل انشاءاللہ آسان ہو جائے گی۔ عوام کو بھی آپ کی ہدایت یہی ہونی چاہیے کہ وہ جہاں بھی ہوں اور جس میدان میں کام کر رہے ہوں، اسلام کے ساتھ صرف زبانی وفاداری نہ رکھیں بلکہ ہمیشہ اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں زندگی گذاریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں بعض لوگ ہر وقت اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو آپس میں لڑاتے رہیں اور اس سے خود فائدہ اٹھائیں۔ اس کوشش کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ آپ حضرات سے ہمیں امید ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی ناپاک حرکتوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

اس کے علاوہ مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ہم میں سے بہت لوگ عادتاً دوسروں کی خوشی نہیں دیکھ سکتے۔ یہ ایک غلط طریق کار ہے۔ آپس میں محبت کو فروغ دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہوں اور حسد میں مبتلا نہ ہوں۔ ہمیں اپنی زندگی کو اس انداز میں ڈالنا چاہیے کہ رات سونے سے پیشتر اگر اپنے دن بھر کے اقوال اور افعال پر غور کریں تو ہمارے دل مسرت سے لبریز ہو جائیں کہ ہم نے کسی غریب کی مدد کی ہے، کسی کا حق نہیں مارا ہے اور جملہ کام نیکی کے کیے ہیں۔

مَیں جامعہ سے متعلق تمام حضرات کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ حکومت پنجاب کا ہر محکمہ ان کے ساتھ پوری ہمدردی کرے گا۔ حکومت نے نوٹیفکیشن جاری کر کے آپ کی ڈگری کو وہی مقام دے دیا ہے جو باقی ڈگریوں کو حاصل ہے۔ اب یہاں سے فارغ ہونے والے حضرات پورے اعتماد کے ساتھ سوسائٹی میں اپنا کام کر سکتے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ اس ڈگری کے وقار پر حرف نہیں آنے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ آپ اس جامعہ کو علوم اسلامیہ کے تحفظ اور ریسرچ کا ایک شاندار مرکز بنا سکیں۔ اور یہ جامعہ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں ایک مثالی ادارہ ثابت ہو۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور نے ایک ٹیکسٹ بک نمائش کا انتظام کیا تھا۔ جناب لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن گورنر پنجاب نے مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۷۱ء کو اس کا افتتاح فرمایا۔ اس موقعے پر آپ نے جو تقریر کی، اُس کے بعض اقتباس درج ذیل ہیں۔ اصل تقریر انگریزی میں تھی۔

. . . .

پاکستانی مسلمانوں کی حیثیت سے ہماری آئیڈیالوجی کیا ہے؟ اس آئیڈیالوجی کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے لیکن اس کا واضح جواب ہمیشہ نہیں دیا جاتا۔ میں اس کا بہت آسان سا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ ہماری آئیڈیالوجی کا سب سے اہم ستون اسلام پر ہمارا عقیدہ ہے، اسلام جس کی تلقین ہمیں قرآن مجید میں کی گئی ہے اور ہمارے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔

اسلام ہمیں توحید، اخوتِ انسانی اور عدل اجتماعی کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ کسی آدمی کو معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر صرف اپنی شخصی نجات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ایک صحت مند معاشرتی نظام کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان ایک متوازن اور ہم آہنگ تعلق ہو، جو داخلی ہم آہنگی و طمانیت اور خالقِ ارض و سما سے ایک مضبوط ربط و ضبط کی عکاسی کرتا ہو۔ ہمیں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ بحیثیت مجموعی ایک معاشرے کی صحت و درستگی مبنی ہوتی ہے۔ اُس کے متنوع ہونے پر، اُس میں اقتصادی و اجتماعی انصاف کی موجودگی پر اور اس میں استحصال کے نہ ہونے پر۔ نیز یہ کہ اس میں ہر فرد کے لیے ترقی کے یکساں مواقع ہوں۔ اس کو محض ایک اتفاقی حادثہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں سب سے پہلا فلاحی معاشرہ اسلام کی بدولت وجود میں آیا۔

اگر ہم اپنے بیش حاصل روحانی اور تاریخی ورثے کا شعور رکھتے ہیں تو ہمیں غیروں کے نمونوں یا ان کی اقدار کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کے لیے دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بے غرضی، بے نفسی، انسانی ہمدردی، بہادری، انکسار و فروتنی، رواداری اور عزت نفس جیسی اعلیٰ اخلاقی قدروں کے عملی پیکر ہونے کی حیثیت سے ہمارے بزرگوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر ہم خود اپنی تاریخ کا بڑے غور و خوض سے اور بامعنی مطالعہ کریں تو ہمیں اس میں ایسی چیزیں ملیں گی، جو ہمیں کہیں اور نہیں مل سکتیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم نے مذہب سے علیحدگی اختیار کی یا اس سے غفلت برتی تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جن سرچشموں سے ہمیں تخلیق

محرکات اور روحانی ہدایت اور رہنمائی مل سکتی ہے، وہ خشک ہو کر رہ جائیں گے۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی تاریخ گزشتہ ایک ہزار سال تک پیچھے جاتی ہے۔ ہمارا یہ مقدس فرض ہے کہ ہم اس تاریخ کی باقیات صالحات سے اپنی نئی نسلوں کو متعارف کرائیں، ڈر یہ ہے کہ ہمارے نوجوان یہ بھولتے جا رہے ہیں کہ پاکستان کا قیام کیوں عمل میں لایا گیا۔ اور اس سلسلے میں جو مصائب جھیلے گئے اور قربانیاں دی گئیں، وہ اُن کی نظروں سے اوجھل ہو رہی ہیں۔ پاکستان کی تاریخ کا یہ مطالعہ ہماری آیندہ نسلوں کو اس قابل بنا سکے گا کہ وہ دشمنوں سے اپنے دوستوں کو پہچان سکیں اور اس ضمن میں جو دوسری بحثیں اور مسائل ہیں اُن کی حدود کا تعین کر سکیں۔ آج پہلے سے کہیں زیادہ ہماری قوم کو اتحاد، یقین محکم اور نظم و ضبط کے سبق کو جو قائد اعظم نے ہمیں دیا تھا، از سر نو یاد کرنے کی ضرورت ہے۔ قوم کو پھر ملّی سالمیت اور اتحاد کے لیے سرگرم عمل ہونا اور یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ ہمارے یہ عظیم رہنما ہر قسم کے علاقائی تنگ دلانہ رجحانات کے کیوں خلاف تھے۔

یہ جو کچھ میں نے کہا ہے، اس سے میری یہ مراد نہیں کہ ہم ثقافتی لحاظ سے دوسروں سے الگ تھلگ زندگی گزاریں۔ یا ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحصیل میں پوری طرح کوشش نہ کریں۔ ہمیں ایک طرف مغرب کی ناہموار مادی ترقی سے، جس کے نتیجے میں کہ اس کے غیر اخلاقی اور غیر روحانی اثرات اُبھرے ہیں اور دوسری طرف مشرق کی رواج پسندی اور ظاہر پرستی سے جو کہ ایک کھوکھلی اور زندگی کُش قوت بن گئی ہے، بچنا ہے۔ ہمیں اس کا اعتراف کرنا ہوگا کہ مغرب کی سائنس اور ٹیکنیکل مہارت کا ایک بڑا حصہ واقعی قابل قدر ہے۔ ہمیں اسے حاصل کرنا اور اس کو اپنا کر غریبی، پس ماندگی اور بیماری کو دُور کرنا اور زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا۔

طبیعیاتی علوم اور جن زبردست طاقتوں کو وہ میدان میں لاتے ہیں، ان ہر دو کو انسانیت کی اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیں بار آمد بنانا چاہیے۔ میری یہ دلی آرزو ہے کہ ہمارا نصاب تعلیم اور درسی کتابیں بتدریج سائنسی روح کو عملاً اپنے اندر سموئیں اور ساتھ ساتھ اُن کے اندر ہماری آئیڈیالوجی بھی پوری طرح بروئے کار آئے۔ اور اُسے ہماری تمام سرگرمیوں کا بنیادی نقطہ ہونا چاہیے۔